© rasailojaraid.com

مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی

فقہ واصول کی تدوین کی طرف اہل علم کا التفات

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سنہرے اور بابرکت دور کو دنیا نے جب الوداع کہا تو اسلام بحروبر کی وسعتوں کو اپنی سعادتوں سے ہم کنار کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ جیش اسامہ کی روانگی نے عراق وایران کی سرحدیں مملکت اسلام میں ضم کرنے کی طرح ڈالی اور سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گرامی دور خلافت تک خاصے ممالک اسلام کی آغوش رحمت میں آ گئے۔ توسیع کا یہ سلسلہ دراز رہا اور عہد عباسیہ میں مسلم سلطنتیں ہر قابل رشک نعمت سے سرفراز ہوچکی تھیں۔

تہذیب وثقافت کا انضمام اور ملک وقوم کے تبادلے اپنے ساتھ بہت سے دسائل بھی لاتے ہیں اور مسائل بھی۔ مسائل ووسائل کے ہجوم بہت سی طرفہ سامانیوں کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ زبان پر سان چڑھتی ہے، نت نئے الفاظ درآمد ہوتے ہیں، نئی تہذیبیں جنم لیتی ہیں، افکار نو کا ہجوم ہوتا ہے، نئے نویلے آداب وفنون سے آگاہی ہوتی ہے۔ نیا سماج، نئے لوگ، نیا ماحول، نیا انداز، سب کچھ نیا نیا سا، اس اچھوتے ماحول میں اسلام اور اہل اسلام کو جذب (Adjust) ہونے کے لیے فکر وعمل کے طور طریقوں میں خاص تراش خراش کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہی ضرورت نئی اصطلاحات، نئے فنون، نئے علوم وآداب کی ایجاد وتدوین کی اصل محرک ہوتی ہے۔

اسلام دین فطرت ہے، اس لیے اس کے اصول ومبادی اور قوانین وآداب ہر قدم پر مزاج فطرت کا خاصا خیال رکھتے ہیں، اسلام صرف ان پہلوؤں سے دامن کشاں گزرتا ہے، جن

> امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں: فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے فطرت کا پاکیزہ صحن آلودگیوں کا شکار ہوتا ہو۔ فطرت کی مثبت حوصلہ افزائی اور منفی گوشوں پر قدغن اسلام کا ایسا دلکش امتیاز ہے، جو اپنے آپ میں منفرد ہے، اسلام کائنات کی ہر خوبی کو اپنا سرمایہ سمجھتا ہے۔ **الحکمۃ ضالۃ المومن/ الحکیم فحیث و جدھا فھو احق بھا** (مشکوٰۃ، کتاب العلم، رواہ ابوہریرہ) اسلام کی اسی کشادہ قلبی نے اسے آفاقی وسعتیں عطا کی ہیں۔

اسلام جب حرا آغوش سے نکل کر پھیلا تو اس کی کرنوں نے نہاں خانۂ دل روشن کردیے۔ آفتاب رسالت کی موجودگی میں کسی فن کے حضور زانوے ادب تہہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وحی الوہیت اور نطق نبوت ہر مسئلے کا شافی علاج تھی۔ البتہ دور دراز کے علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوصورتیں تجویز کی تھیں۔ کتاب و سنت سے براہ راست استفادہ یا پھر ان کی روشنی میں مسئلے کا عقلی استنباط جس نے آگے چل کر اسلامی فنون بالخصوص فقہ و اصول کی تدوین کے لیے راہیں ہموار کیں۔

یہاں پر ایک سوال سطح ذہن پر ابھرتا ہے کہ کتاب و سنت کے ہوتے ہوئے فقہ و اصول کی تدوین اور ان کے قواعد کے انضباط کی ضرورت کیا ہے؟ قرآن حکیم میں ہر خشک و تر کا بیان ہے، سارے اصول و ضوابط موجود ہیں۔ قرآنی اصول کی جامع تشریحات احادیث مبارکہ میں مکمل طور سے ملتی ہیں۔ اللہ اور رسول نے ہر ہر قدم پر امت مسلمہ کو رہنما اصول دیے ہیں تو پھر ایک نئے فن کی تدوین اور اس کے ہاتھوں میں امت مسلمہ کی زمام دینے کی ضرورت کیا ہے، حبل اللہ کے ہوتے ہوئے، کسی عبقری کی نیازمندی کا قلادہ اپنی گردن میں کیوں ڈالا جائے؟ کتاب و سنت کی سرچشمہ شیریں کے ہوتے ہوئے کسی اور سمت رخ کرنے کا جواز کہاں پیدا ہوتا ہے؟ یہ سوالات ہماری ایمانی حس کے تقاضے ہوسکتے ہیں، ان کا واضح اور مفصل جواب کثیر صفحات اور وسیع اوقات چاہتا ہے۔ لیکن ذیل کی چند سطروں میں اس کی واجبی وضاحت ضرور پیش کی جائے گی۔

یہ جہان فطرتاً تغیر پذیر اور مائل بہ ارتقا ہے۔ کائنات کا یہ ارتقائی سفر اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک اس کی قبائے وجود مکمل طور سے تار تار نہ ہو جائے۔ **کل یوم فی شان** (ربّ کائنات ہر دن ایک نئی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے) کی جلوہ گری کائنات کے ذرّے ذرّے

مباح وہ کام ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہو۔ (اصول فقہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سمائی ہوئی ہے۔ جو سماں کل تھا، وہ آج نہیں، جو آج ہے وہ کل نہیں رہے گا۔ معاشرے کے دہرے دہرے وجود میں یہ تبدیلیاں اور ترقیاں بہت واضح انداز سے محسوس کی جاسکتی ہیں۔ یہاں تک کہ مظاہر فطرت جو ایک سے دکھتے چلے آرہے ہیں، ان کی جلوہ گری بھی ایک سی نہیں ہوتی۔ بوڑھا سورج بظاہر اسی مشرق سے نکلتا ہے اور اسی مغرب میں ڈوبتا ہے۔ لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ اس کی جائے طلوع ہر دن بدلتی رہتی ہے اور مقام غروب بھی ہر دن تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ سرد و گرم موسم، لمبی اور چھوٹی رتیں، مہ و نجوم اور بادلوں کی آنکھ مچولیاں، چاند اور سورج کی داغداریاں (گہن)، رتوں کی بھیگتی سوکھتی پلکیں، حکومتوں کے بدلتے زاویے، ثقافتوں کے تبادلے، سمٹتی پھیلتی سرحدیں، فطرت کا اصول درشاتی ہیں، قانون قدرت کا مزاج سمجھاتی ہیں، حرکت و عمل پر آمادہ رکھتی ہیں، زمانے کی سیدھی رفتار کا ساتھ دینے پر مہمیز کرتی ہیں۔ یہ بتاتی ہیں کہ انجماد و تعطل کا زندگی سے بھرپور اس شاداب ہنستی بولتی کائنات سے دور کا واسطہ نہیں۔ جو فطرت کا یہ مزاج نہیں سمجھے گا، اس کی گھومتی بدلتی تیز رفتار کا ساتھ نہیں دے گا، وہ پس منظر میں چلا جائے گا اور زمانہ اس سے دامن جھٹک کر بہت برق رفتاری سے آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ چاہے وہ شخص ہو یا تحریک، مذہب ہو یا تمدن، علم ہو یا انداز عمل۔ اسلام جب دین فطرت ہے تو وہ فطرت کی ان رواں دواں تبدیلیوں اور تغیر آشنا مزاج سے دامن کش کیسے ہوسکتا ہے؟ اسلام تو قیامت تک اس دنیا کا ہمدم و ہم ساز سدا بہار رہنما مذہب ہے، اس لیے اس کا انجماد و تعطل سے بھلا کیا ربط ہوسکتا ہے؟ ہاں! اس کی اپنی ٹھوس، غیر متزلزل اور مستحکم بنیادیں ہیں، اس کا اپنا دلکش و پاکیزہ دائرہ کار ہے۔ وہ دنیا کے دامن میں نہیں سمٹتا بلکہ دنیا کو اپنی مقدس آغوش میں سمیٹتا ہے۔

اس تغیر مآب کائنات کے پس منظر میں اب دنیاوی اصول و قوانین کی حدیں، ماہیتیں اور کیفیتیں ملاحظہ کیجیے۔ کسی ملک کا قانون ہو، ہر نصف صدی کے بعد اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کئی دفعات نکالنی پڑتی ہیں۔ بہت سی شقیں داخل کرنی ہوتی ہیں اور کسی میں جزوی ترمیم (Amendment) جگہ پاتی ہے، حالات اور کیفیات کے منظر نامے جوں جوں تبدیل ہوتے ہیں، اصول و قوانین کے کینوس بھی رخ بدلتے رہتے ہیں۔ قوانین کی یہ توسیعاتی کیفیت ایسی روشن ہے کہ مزید وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

☆ الحکم یتبع المصلحۃ الراجحۃ (حکم مصلحتِ راجحہ کے تابع ہوا کرتا ہے) ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب اسلام کے قانونی رخ کو دیکھتے ہیں تو اس پر **الیوم اکملت لم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً** (المائدہ: ۵) ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام منتخب کرلیا) کی مہر ثبت ملتی ہے۔ اس کے جتنے اصول وضوابط تھے مکمل ہو چکے، دین تکمیل کے مرحلے سے گزر چکا، کتاب وسنت کا لازوال سرچشمہ امت مسلمہ اور سعید دنیا کی پیاس بجھاتا رہے گا۔ ہر خشک تر کتاب وسنت کی وسعتوں میں سما چکے۔ اب اس ضابطۂ خالق کائنات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکے گی۔ پھر قدرت کے ان اصولوں کا کیا ہوگا جنھیں تبدیلیاں ہی راس آتی ہیں، یہ تغیر پزیر کائنات اسلام کے غیر متبدل اور اٹل مزاج کا ساتھ کیسے دے سکے گی؟ آئے دن طوفانوں کی مانند جو مسائل امنڈتے رہتے ہیں، ان کا کیا ہوگا؟ اسلام عرب سے نکل کر، بحروبر کی وسعتوں میں پھیلے گا تو یہ بھانت بھانت کے سماج بولیاں، روایتیں، رسمیں، تہذیبیں اسلام سے کس طرح مانوس ہوں گی کیا اسلام کائنات کی ان تمام رنگارنگیوں کو دفن کر دے گا یا انھیں بھی اپنے ساتھ لے کر چلے گا۔ نئے سماج، نئے وقت اور نئے حالات کی تبدیلیوں کو اسلام کی میزان پر کیوں کر تولا جاسکے گا۔ اگر مزاج اور ماحول کی ان تبدیلیوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو دنیا اس کی تقدس مآب آغوش میں کیسے سما سکے گی۔ اس طرح کے نہ جانے کتنے سوالات ہیں جو دماغ کی زیریں سطح پر ابھرتے رہتے ہیں۔ جب کہ اسلام ابدی اور لافانی مذہب ہے، اسے ہر زمانے کی قیادت کرنی ہے۔

غرض بے ثبات دنیا کی بوقلمونی، حالات کی رنگارنگی، زمانے کی تبدیلیاں فطرت کے تیکھے نقوش ہیں، جنھیں بہر صورت رونما ہونا ہے اور اسلام کی عالمگیر ابدیت بھی اپنی جگہ مسلم ہے۔ ایک مسلسل تغیرات کا خواہاں ہے اور دوسرا مکمل استقلال کا، دونوں قدرت کے بنائے ہوئے اصول ہیں، جن کی نہ تغلیط ہوسکتی ہے، نہ انھیں توڑا جاسکتا ہے۔ اسلام کے شاداب اور مستحکم اصول اور یہ نگار خانہ کائنات دونوں قیامت تک سدا بہار رہیں گے۔ پھر ان دونوں کو ہم آہنگ کرنے کی صورت کیا ہے؟ اس خلیج کو پاٹنے، اس گیپ (Gap) کو ختم کرنے اور ان دونوں مختلف جہتوں کو مانوس کرنے کی صرف ایک راہ ہے، جسے اجتہاد کہتے ہیں اور اسی نشان منزل کی توجہ کے لیے فقہ و اصول کی تدوین عمل میں آئی۔ بات ذرا مبہم سی رہ گئی۔ کتاب وسنت کے ارشادات سے

© rasailojaraid.com

☆ ... احکام کی تبدیلی کا انکار نہیں کیا جائے گا☆

© rasailojaraid.com

اعتبار دیتے ہوئے اسی کی مختصر وضاحت پیش ہوتی ہے۔

کتاب اللہ میں یقیناً ساری چیزوں کا بیان ہے لیکن اس کے اصول جامع، مختصر اور گہرے گہرے ہیں، جن تک ہم آپ تو کجا حضرات صحابہ بھی رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تشریح کے محتاج تھے۔ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ بقرہ کی تعلیم ڈھائی سال میں حضور سے مکمل فرمائی۔ تکمیل کے بعد خوشی میں احباب کی شاندار ضیافت کا اہتمام فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم خود فصیح عرب تھے، انھیں قرآنی متن کو سمجھنے کے لیے کسی کے تعاون کی ضرورت ہی کیا تھی، پھر آپ حضور سے ڈھائی سال ڈھائی پارے کی تعلیم میں کیا سیکھتے رہے، کیا صرف لفظوں کے معانی؟ نہیں بلکہ وہ اسرار قرآنی اور رموز ربانی جو نور الٰہی سے روشن دلوں کو عطا ہوتے ہیں، انھیں اسرار کے گہرے قرآنی سمندر کی نشان دہی یہ حدیث پاک فرماتی ہے کہ اگر سارے سمندر روشنائی اور سارے درخت قلم بنا دیے جائیں اور ان سے قرآن حکیم کے اسرار و عجائب قلم بند ہوں پھر بھی وہ ختم نہ ہوں گے۔ اگر قرآن حکیم کا معاملہ صرف متن کے ظاہری رخ تک محدود ہوتا تو پھر اس کے عجائبات لامحدود کیسے ہوسکتے تھے۔ قرآن حکیم اسرار و معانی کا ناپیدا کنار سمندر ہے، جس کی شناوری ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے ایک مخصوص معیار کا علم، نور الٰہی سے روشن سینہ، مشکوٰۃ نبوت کی جاں بخش ضیاؤں سے مستیزی اور خاص کر توفیق الٰہی سے سرفرازی ضروری ہے، جبھی وہ قرآن میں چھپے کائنات اور ماورائے کائنات کے اسرار دریافت کرسکتا ہے۔ یہ معیار فقہائے صحابہ کو حاصل تھا، جو ارشادات نبوت کے قیمتی خزانوں کے امین ہیں، اسی لیے اسلام کا یہ مسلم اصول ہے کہ قرآن حکیم کو صرف متن قرآن اور لفظوں کی پرکھ سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس کے لیے احادیث مبارکہ کی پرنور رہنمائی ضروری ہے۔ اس کے بغیر جو قرآن کو سمجھنا چاہے۔ گمراہی اس کا مقدر ہے۔

اب احادیث مبارکہ کی معنوی گہرائی کی سمت توجہ کی جائے تو ہمیں یہ ارشاد رسالت جگمگاتا نظر آتا ہے: اُوْتِیْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِم۔ مجھے مختصر اور جامع کلمات کا معجزہ عطا کیا گیا۔ معجزہ وہی چیز ہوتی ہے جو مافوق الفطرت ہو، جو دوسروں کا مقدور نہ ہو، جسے حضور نے بطور امتیاز پیش فرمایا ہو۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ حضور کے ارشادات معانی و مفاہم کی گہری تہیں رکھتے ہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو بیک نگاہ منکشف نہیں ہوسکتیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبارک بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن حاصل کیے ہیں، ایک کو بیان کرتا ہوں، اگر دوسرا بیان کروں، تو میرا یہ گلا کاٹ دیا جائے۔ (بخاری شریف ۱،۲۳) ارشادات نبوت کی تفہیم کے لیے ان نفوس قدسیہ کی تشریحات مطلوب ہیں، جن کی پرنور نگاہیں جمال نبوت کے دیدار سے جگمگ جگمگ کرتی ہیں، جن کے دل انوار نبوت سے روشن روشن ہیں، جن کی سماعتیں الفاظ نبوت کی لذت چشیدہ ہیں، جنھوں نے براہ راست مہبط وحی سے وحی ناطق اور غیر ناطق کو سنا، سمجھا اور دل میں بسایا ہے، جو بارگاہ رسالت کے مزاج شناس تھے، اگر حضرات صحابہ کی رہنمائی کے بغیر کوئی احادیث کے سرچشمے سے فیض اٹھانا چاہے تو ٹھوکریں اس کا مقدر ہیں۔ کیوں کہ اہل محفل ہی میر محفل سے کماحقہ، واقفیت رکھتے ہیں، یونہی افکار صحابہ کے ذخائر ان کے حاضر باش، حضرات تابعین کے توسط سے سمجھیں۔

کوئی بھی قانون ایسا جامع نہیں ہوسکتا کہ وہ ایک دوسرے کے سارے حالات و معاملات، وسائل و مسائل کا حکم واضح کرسکے، چہ جائیکہ وہ سارے زمانوں کے حالات اور معاملات کا احاطہ کرسکے۔ قانون، ہمیشہ ایک کسوٹی ہوتا ہے، حالات اور معاملات کو اس پر پیش کرکے پرکھا جاتا ہے، اس پیش کش اور اس کے نفاذ کے لیے کار پردازان قانون کو فکر و تدبر اور سلیقہ مندی سے کام لینا پڑتا ہے۔ قانون کی سطح عموماً سپاٹ ہوتی ہے۔ لیکن وہی قانون دیرپا اور رائج ہو پاتا ہے، جس کے اندر Flexibility ہوتی ہے اور زمانے کے مزاج کو ایک حد تک ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے نفاذ کی کوشش کی جاتی ہے۔ بے لوچ اور کرخت، یک رخا مزاج رکھنے والا قانون یا تو خود ٹوٹ جاتا ہے یا پھر اسے توڑ دیا جاتا ہے۔ اسلام ابدی اور لازوال مذہب ہے اور قیامت تک کے دردمندوں کا چارہ ساز، اس لیے اس کے سارے اصول فطرت سے ہم آہنگ اور اس کے مزاج کا خاصا خیال رکھتے ہیں، ان میں نرم خوئی، لچک داری اور ہر حال اور ماحول میں ضم (Adjust) ہونے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے، ان میں بے تکاپن اور کرختگی نہیں ہے۔ لیکن اسے ہر حال، ماحول اور زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرکے نافذ کرنے کے لیے اعلیٰ اسلامی شعور کی ضرورت ہے، جو ان جامع اصولوں سے نئے نئے مسائل کے احکامات برآمد

ماجاز لعذر بطل بزوالہ: [illegible] عذر [illegible] ہوتے ہی جواز بھی ختم ہوجائے گا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر سکے۔ اسی شعور کی قوت کو ملکۂ اجتہاد کہتے ہیں۔ قرآن و سنت میں دین اسلام کی تکمیل کا یہی مطلب ہے کہ اسلام کے سارے بنیادی احکام اور لازمی اصول مکمل ہو چکے۔ **الحلال ما احل اللّٰہ و الحرام ماحرم اللّٰہ و ماسکت عنه فهو معفوعنه** (حلال وہ چیز ہے جسے اللہ نے حلال ٹھہرایا اور حرام وہ چیز ہے جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا اور جس کے بارے میں کوئی حکم وارد نہیں ہے، وہ مباح ہے) ان بنیادی اصولوں میں کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی۔ لیکن ماحولیات کے بدلاؤ سے جو حالات رونما ہوتے ہیں، ان کی اسلامی اصولوں کی روشنی میں تفہیم ضرور ہوسکتی ہے۔ فقہ و اصول یہی کارنامہ انجام دیتے ہیں، ملکۂ اجتہاد یہی فرض ادا کرتا ہے، فقہا الگ سے ہٹ کر کچھ نہیں کہتے۔ وہ نور خدا سے منور دل رکھتے ہیں، علم لدنی کے شرف سے سرفراز ہوتے ہیں، اسلامی اصول و مصادر کا گہرا شعور رکھتے ہیں، وہ نت نئے حالات کو کتاب و سنت کے معیار پر پیش کرکے ان کی زیریں سطحوں سے اس کا شرعی حکم برآمد کر لیتے ہیں، جہاں تک عام نگاہوں کی رسائی نہیں ہوتی، جیسے دنیاوی ایجادات کرنے والے افراد کائنات فطرت کا گہرا مشاہدہ کرکے عام نگاہوں سے چھپے راز دریافت کر لیتے ہیں، پھر انھیں عوام کے لیے مفید بنا کر دنیا کے سامنے پیش کردیتے ہیں۔ ساری دنیا اس سے بے تکلف فائدہ اٹھاتی ہے۔ لیکن ایسے موجدین، خالق نہیں ہوتے بلکہ منتظم ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی ایجادات بھی قدرت کا کرشمہ ہی کہی جائیں گی اور اللہ کی ملکیتیں ہی شمار ہوں گی۔ البتہ ایسے موجدین مادی دنیا کے قائد اور محسن ضرور سمجھے جائیں گے۔ یونہی ائمہ مجتہدین شریعت کا گہرا شعور رکھنے کی وجہ سے نت نئے معاملات کی تفہیم کا فریضہ اسلام کی سطح سے انجام دیتے ہیں۔ شریعت کے مصادر کی روشنی میں انھوں نے ایسے اصول ایجاد کیے ہیں، جن کی روشنی میں حالات و معاملات کا اسلامی فہم آسان ہو جاتا ہے، اور پوری دنیا ان کے اخذ کردہ نتائج کی روشنی میں اسلامی قوانین پر سہولت کے ساتھ عمل پیرا ہو جاتی ہے۔ اہل دنیا کو خود احکام اخذ کرنے اور استنباط کرنے کی زحمتیں گوارہ نہیں کرنی پڑتیں، نہ وہ اس کے اہل، یہ ائمہ مجتہدین اس ترتیب و استنباط کے سبب شارع نہیں ہو جاتے، بلکہ شریعت کے خادم ہی رہتے ہیں۔ البتہ اعلیٰ سطح کی اسلامی خصوصیات کے سبب وہ اُمت کے لیے آسانی کا سبب بنتے ہیں، اس لیے اُمتِ مسلمہ میں انھیں ایک خصوصی امتیاز نصیب ہوتا ہے اور اس کی بدولت وہ اسلامی قائد، رہنما، امام اور قابل

☆ اليقين لا يزول بالشك ☆ یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا ☆ (فقہی ضابطہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقتدا شخصیت شمار ہوتے ہیں اور یہ بات بالکل ظاہر سی ہے کہ امتیازات چاہے وہ جس رخ کے ہوں، بہر طور قابل تقلید و احترام ہوتے ہیں اور ایسے افراد قبول عام سے بہر طور سرفراز ہوتے ہیں۔ اس لیے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو دین سے جدا کسی فکر کی پیروی سمجھنا عقل وفہم کا دیوالیہ پن ہے۔ حضرات ائمہ جیسے افراد تو اُمت مسلمہ کا انتخاب ہوتے ہیں اور قرآن حکیم کے ارشاد کی روشنی میں اُمت کے رہنما، ارشاد ربانی ہے:

فلو لانفرمن کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین و لینذر و اقومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون (التوبۃ: ۱۲۲) تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈرسنائیں، اس امید پر کہ بچیں۔ ایسے فقیہ افراد کو قرآن حکیم نے قائدانہ منصب عطا کیا ہے۔

احادیث مبارکہ میں ایسی خوبیوں والے افراد کو بہت سراہا گیا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> **من یرد الله به خیر ایفقهه فی الدین** (مشکوٰۃ کتاب العلم) جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی سمجھ اور فقاہت عطا کر دیتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: **نعم الرجل الفقیه فی الدین ان احتیج الیه نفع و ان استغنی عنه اغنی نفسه** ۔ کتنا اچھا ہے وہ شخص جو دین کا فقیہ ہو، اگر کوئی اس کے پاس دینی حاجت لے کر حاضر ہو تو وہ اس کی مدد کرے اور اگر اس سے دنیا بے نیازی کا معاملہ رکھے تو وہ بھی اپنے آپ کو بے نیاز بنالے۔ تیسری حدیث پاک میں ہے: **فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد** (رواہ ابن عباس مشکوٰۃ، علم) ایک فقیہ شیطان کی جان پر ہزار عابد سے زیادہ گراں بار ہے۔

یہ امتیازات اللہ اور رسول کی بارگاہ سے ایک فقیہ اور مجتہد کو عطا ہوئے ہیں، اس لیے ان کی ذواتِ قدسیہ یقیناً قابل احترام اور لائق تقلید ہیں۔

اصول دین کی تفہیم کے لیے نئے نئے اچھے اچھے طریقے ایجاد کرنا، جن سے مقاصد

☆ الاصل بقاء ما کان علی ما کان۔ بنیادی طور پر جو چیز جس حالت پر ہو اسی پر باقی رہتی ہے ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دین پورے ہوتے ہوں، مطلوب شریعت بھی ہے، معروف حدیث جریرؓ بن عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے:

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها و اجرمن عمل بهامن بعده من غیران ینقص من اجورهم شئی. (مشکوٰۃ، کتاب العلم ص۲۵)

جو شخص اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرے، اس ایجاد کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے، ان سب کا مجموعی ثواب اس موجد کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور لطف یہ ہے کہ ان پر عمل پیرا لوگوں کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ایسے فنون و آداب، اطوار و عادات کو برتنا جو نئے ہوں، لیکن دین سے متعلق ہوں، اس کے مقاصد کی تکمیل میں مفید ہوں اور ان سے اسلام کے کسی متعین اصول کی نفی نہ ہوتی ہو، فرمان رسول اور مزاج شریعت کے مطابق ہے، یہی وہ بنیادی ہدایت ہے جو اسلام کے بنیادی اصولوں کو حالات زمانہ کے اعتبار سے ایڈجسٹ کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے اور زمانے کے تغیرات کو بہت سہولت، نرمی Flexebility اور سلیقے سے برتتی ہے۔ قرآن حکیم کی جمع و ترتیب، علوم قرآن اور فنون حدیث کی تدوین یہ سب کچھ بعد کی چیزیں ہیں اور مخلصین اسلام کی پاکیزہ ذہنوں کی ایجاد۔ حضرات ائمہ مجتہدین اس حدیث کے بہترین مصداق ہیں، وہ اُمت مسلمہ کے سامنے ایسے بہتر طریقے پیش کر گئے، جن کی برکتوں سے ہزار سال کے بعد بھی دنیا مستفید ہو رہی ہے۔ اگر وہ اور ان کے یہ عظیم الشان کارنامے نہ ہوتے تو آج اُمت مسلمہ کس مشقت سے دو چار ہوتی، ہم آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ لیکن ائمہ مجتہدین کی یہ ایجاد فنون کتاب وسنت کے سرچشمے سے ہی مستفاد ہے۔ جس طرح قرآن حکیم کی جمع و ترتیب، احادیث مبارکہ کی تدوین عہد رسالت کے بعد کی چیزیں ہیں لیکن ان کا سرا عہد رسالت میں موجود تھا۔ کیوں کہ خود حضور قرآن حکیم کو چمڑوں پر، کھجور کی چھالوں پر لکھواتے باضابطہ کاتبین وحی متعین تھے، جو حضور کی بیان فرمودہ ترتیب کے مطابق آیات و سور کو لکھتے جاتے۔ کتابت حدیث کا بھی قرآن جیسا نہ سہی لیکن اہتمام ضرور تھا، اس لیے بعد میں جمع قرآن اور تدوین حدیث کا کارنامہ منشائے نبوت کے مطابق تھا اور خود ان کے پس پردہ الٰہی مشیت اور

☆ بیع منابذہ یہ ہے کہ: بائع مبیع کو مشتری کی طرف پھینک دے ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایزدی تائید کارفرما تھی۔ ٹھیک اسی طرح فقہ و اصول اور اجتہاد و تقلید کا نقطۂ آغاز بھی عہد رسالت کی ہی دین ہے اور ان کی جڑیں کتاب و سنت کے سمندروں سے پانی لیتی ہیں۔

یہ حدیث اہل علم کے درمیان کافی شہرت رکھتی ہے کہ ۱۰ھ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا: معاذ! تم اُمت مسلمہ کے مسائل کا فیصلہ کیسے کرو گے؟ عرض کی: یارسول اللہ! کتاب اللہ کی روشنی میں، حضور نے فرمایا: اگر وہ حکم صراحتاً اس میں نہ ملے تو؟ عرض کیا: آپ کے ارشادات کی روشنی میں، فرمایا: اگر میری حدیث میں بھی تمھیں وہ حکم دستیاب نہ ہوتو؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! اجتهد برائی ولا آلو۔ میں بے تکلف کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ رسول محتشم کا چہرہ اس جواب سے کھل اٹھا، حضرت معاذ کے مبارک سینے پر دست کرم پھیرتے ہوئے فرمایا:

الحمد للّٰه الذی وفق رسول رسول اللّٰه لما یرضی به رسول اللّٰه۔ اللہ تعالیٰ کا بے پناہ شکر و احسان کہ اس نے اپنے رسول کے ترجمان کو ایسی اچھی فکر کی توفیق دی، جس سے اس کا رسول راضی ہے۔

(مشکوٰۃ کتاب الامارہ)

اس حدیث کا روشن مفہوم یہی ہے کہ فقہ و اجتہاد وقت کی ضرورت ہے اور اسلام کی تفہیم کا شاندار ذریعہ، جسے بارگاہ نبوت کی بھرپور تائید حاصل ہے اور اسی کے ذریعہ اسلام کے مستحکم اصول ہر مانے کے تقاضوں کی تسکین کا سامان بنتے ہیں۔ یہی نرمی اسلامی قوانین کو قبول دوام اور ہر ماحول میں انضمام کا سہرا عطا کرتی ہے۔

عہد رسالت کے بعد عہد صحابہ کی روش بھی فقہ و اصول کی بنیاد میں مستحکم کرتی نظر آتی ہے۔ سیدنا فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں صحابی رسول حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (گورنر) کو ایک طویل فرمان بھیجا، جس میں یہ ہدایت بھی تھی۔

الفهم الفهم فی مایختلج فی صدرک ممالم یبلغک فی القرآن والسنة.

☆ الضرورات تبیح المحظورات ☆ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعرف الأمثال والا شباه ثم قس الامور عند ذلک فاعمد الی احبها الی اللّٰہ واشبهها بالحق فی ماتری (تاریخ علم فقہ مفتی سید عمیم الاحسان، ڈھاکہ ص:۱۲) اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کرو بالخصوص اس مسئلہ میں جو تمہارے دل میں تردد کا سبب بن رہا ہو، قرآن وسنت سے وہ بات تم کو معلوم نہ ہوئی ہو، ایسے موقع پر ملتے جلتے ایک دوسرے سے مشابہ مسائل کو پہچانو پھر اس وقت مسائل میں قیاس سے کام لو اور جو جواب تم کو اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور حق سے زیادہ قریب نظر آئے، اس کو اختیار کرو۔

علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین (تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کے طریقوں کی پیروی لازم ہے) کی روشنی میں ان دونوں بیانات سے خوب اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ نے فقہ و اصول کی تدوین کرکے اپنے لیے اور ساری امت کے لیے کیسی سعادت کا سامان کیا ہے اور امت مسلمہ کی کیسی دستگیری فرمائی ہے۔

فقہ و اصول کتاب و سنت کے عصری تقاضوں کی کیسی خدمت کرتے ہیں اور ان پر کتاب وسنت کا فیض بار سائبان کس طرح سایہ کناں ہے۔ اس کا اندازہ اسی بات سے کیجیے کہ فقہ و اصول کی چار بنیادیں ہیں (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجماع (۴) اور قیاس۔ ان میں کتاب و سنت تو بنیادی مصادر ہیں اور اجماع و قیاس کتاب و سنت کی تائید سے مزین اور مستفاد۔ اجتہاد صرف اس صورت میں ہوتا ہے، جب کسی مسئلے کا حکم کتاب و سنت میں صراحتاً نظر نہ آئے تو نظائر و امثال پر اس مسئلے کو پیش کرکے اس کا شرعی حکم دریافت کر لیتے ہیں۔ اس لیے فقہ و اصول کی تدوین اور ایجاد منشائے شریعت کی تکمیل کی خاطر مشیت الٰہی کی تائید سے عمل میں آئی۔ اس کے بغیر اسلامی احکام کی مکمل تفہیم ناممکن ہے۔ حضرت امام سلیمان اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ زبردست محدث اور حضرت امام اعظم کے استاذ ہوتے ہیں۔ حضرت امام اعظم آپ سے بہت مانوس تھے، ایک مرتبہ آپ حضرت اعمش کی محفل میں حاضر تھے۔ کسی شخص نے حضرت امام اعمش سے کچھ مسائل دریافت کیے، انھوں نے امام اعظم سے پوچھا کہ آپ ان مسائل کے بارے میں کیا کہتے ہیں، حضرت امام اعظم نے ان سب مسائل کے شرعی احکام بیان فرما دیے۔ امام اعمش نے حیرت سے پوچھا: یہ کہاں سے کہتے ہو؟ فرمایا: آپ ہی کی بیان کردہ ان احادیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اور وہ احادیث سندوں کے ساتھ بیان فرما دیں۔ امام اعمش نے فرمایا: بس بس: میں نے آپ سے جتنی حدیثیں سو دن میں بیان کیں، آپ نے وہ سب ایک دن میں سنا ڈالیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ اے گروہ فقہا: تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور اے نوجوان! تم نے دونوں (حدیث اور فقاہت) کو حاصل کیا۔ (الخیرات الحسان ص ۶۷)

جس طریقے سے قرأت قرآنی کے لہجوں میں اختلاف کی وجہ سے اہل عجم کا اس آسمانی صحیفے میں الجھنا تدوین قرآن کا سبب بنا، حضرت صحابہ کا تسلسل کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونا اور ان کے رواۃ میں اختلاف تدوین حدیث کا باعث تھا، وضع حدیث کے فتنے سے احادیث کے سرمائے کو محفوظ کرنے کے لیے اسماء الرجال کا فن مدوّن ہوا۔ اسی طرح کتاب وسنت کے معانی کی تفہیم میں اختلاف، فقہائے صحابہ کے فتاویٰ میں اختلاف اور کتاب وسنت سے مسائل کے استنباط کے طریقوں میں اختلاف نے ایسی فضا پیدا کی، جس کی وجہ سے اسلام کے ہمدردوں کو ایسے اصول استنباط وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، جن کی روشنی میں آسانی کے ساتھ مسائل کے احکام دریافت کیے جاسکیں اور درست فیصلے تک پہنچا جاسکے۔

حضرات تابعین کی اخیر صفوں نے فقہ و اصول کی تدوین کی سمت توجہ فرمائی اور اس کاروانِ سعادت کی سرخیل، امام الائمہ، سراج الامۃ، کاشف الغمۃ، سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات قدسی صفات ہے، جن کے نور باطن سے آج بھی دنیا درخشانیوں کی سوغات حاصل کر رہی ہے۔ حضرت امام مزنی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"ابوحنیفة اول من دون علم الفقه و افرده بالتالیف من بین الاحادیث النبویة و بوبه فبدأ بالطهارة ثم بالصلوة ثم بسائر العبادات ثم المعاملات الی ان ختم الکتاب بالمواریث و قفاه فی ذلک مالک بن انس وقفاه ابن جریج و هشام"

"حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تدوین فقہ میں اوّلیت کا مقام حاصل ہے جنھوں نے اس علم کو احادیث نبویہ سے اخذ کرکے الگ ممتاز فن کی شکل عطا کی اور اس کے ابواب متعین کیے۔ سب سے پہلے

☆بیع مرابحہ: خرید کردہ شے کی قیمت بتا کر اس کو نفع پر فروخت کرنا☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باب طہارت کے مسائل رقم کیے، پھر نماز کے پھر ساری عبادات کے ان کے بعد معاملات کے، یہاں تک کہ میراث کے مسائل پر فقہی ابواب کا اختتام فرمایا۔ اسی طرز تدوین و ترتیب کو بعد میں حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت ابن جریج اور حضرت ہشام قدس سرہما نے اختیار فرمایا۔“ (تاریخ علم الفقہ۔عمیم الاحسان)

فقہی مسائل کے استنباط اور اس فن کی تدوین کا انداز شورائی تھا کسی ایک فقہی باب کے مسائل اٹھائے جاتے، ایک ایک مسئلہ قرآن و حدیث کے معیار پر پرکھا جاتا۔ گرما گرم بحثیں ہوتیں، اس محفل بحث و استنباط میں ہر ایک کو شمولیت کی اجازت نہیں بلکہ اسلامی علوم کے اعلیٰ ماہرین اور نور باطن سے سرفراز ایسے تقدس مآب چالیس افراد اس تدوین بورڈ میں شامل تھے جو اپنی نظیر آپ تھے اور ہر ایک درجۂ اجتہاد پر فائز۔ قول فیصل حضرت امام اعظم کا ہوتا، اس مجلس تدوین کے استناد کے لیے مشہور محدث حضرت وکیع بن الجراح کا یہ بیان کافی ہے۔

”كيف يقدر ابو حنيفة ان يخطى و معه مثل ابى يوسف و زفر و محمد فى قياسهم و اجتهاد هم و مثل يحيىٰ بن ابى زائدة و حفص بن غياث و حبان و مندل فى حفظهم للحديث و معرفتهم به و القاسم بن معن يعنى ابن عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود فى معرفته باللغة و العربية و دأود بن نصير الطائى و فضيل بن عياض فى زهد هما وور عهما فمن كان اصحابه هؤلاء و جلسائه لم يكن ليخطئ لانه ان اخطا ردوه الى الحق (جامع المسانید، ص۳۳) امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کام میں غلطی کیسے باقی رہ سکتی ہے، جب کہ واقعہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر اور محمد جیسے لوگ قیاس و اجتہاد کے ماہر موجود تھے اور حدیث کے باب میں یحییٰ بن زکریا زائد، حفص بن غیاث حبان اور مندل جیسے ماہرین حدیث ان کی مجلس میں شریک تھے اور لغت و عربیت کے ماہرین میں قاسم بن معن یعنی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود کے صاحبزادے جیسے حضرات شریک تھے۔ اور داؤد بن نصیر طائی اور فضیل بن عیاض جیسے لوگ تقویٰ و ورع اور زہد و پرہیز گاری رکھنے والے موجود تھے، تو جس کے رفقائے کار اور ہم نشین اس قسم کے لوگ ہوں، وہ غلطی نہیں کرسکتا۔ کیوں کہ غلطی کی

☆جب حقوق باہم متعارض ہوں تو ان میں جس کا وقت تنگ ہوا سے ترجیح حاصل ہوگی☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورت میں صحیح امر کی طرف یہ لوگ یقیناً واپس کر دیتے ہوں گے۔

فقہ و اصول دونوں کی تدوین کا آغاز ساتھ ہی ہوا کیوں کہ اصول کی روشنی میں ہی مسائل کا استخراج ہوتا ہے لیکن ممتاز فن کی حیثیت سے اصول نے اپنی شناخت ذرا بعد میں بنائی۔ حضرت امام اعظم کے ممتاز مجتہد تلامذہ سیدنا امام ابو یوسف اور امام محمد نے اصول فقہ کے باب میں تحریریں چھوڑی ہیں۔ حضرت امام مالک نے بھی موطا میں اس فن کے بعض قواعد کی جانب واضح اشارات دیے ہیں۔ لیکن اصول فقہ کے باب میں ممتاز تصنیف کی شکل میں حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تحریر فرمودہ ''الرسالۃ،، سامنے آیا، جسے خاصی شہرت ملی، یہاں تک کہ ابن خلدون جیسے محقق کو یہ گمان ہوگیا کہ اس فن کی تدوین کا سہرا حضرت امام شافعی کے سر ہے، وہ لکھتے ہیں:

''اصول فقہ پر سب سے پہلے امام شافعی نے قلم اٹھایا اور اپنا مشہور الرسالۃ قلم بند کیا، جس میں اوامر و نواہی، بیان و خبر، نسخ و علۃ القیاس کے حکم وغیرہ پر بحثیں کیں، پھر فقہائے حنفیہ نے مبسوط کتابیں تالیف کیں، جن میں اصول فقہ کے قواعد و ضوابط وضاحت و تفصیل کے ساتھ مقرر و مدوّن کیے اور دوسری طرف متکلمین نے بھی اسی طرح کی کتابیں تصنیف کیں...غرض فقہائے حنفیہ کو فقہی باریکیوں پر دسترس اور مسائل فقہیہ سے اصول فقہ کے قواعد و قوانین اخذ کرنے میں ید طولیٰ حاصل ہے۔''

(تاریخ افکار و علوم اسلامی۔ راغب طباخ ۲/۳۰)

لیکن مشہور شافعی مورخ ابن خلکان اس فن کی تدوین کا سہرا حضرت امام ابو یوسف کے سر باندھتے ہیں۔ ان کا بیان دیکھیے:

''سب سے پہلے انھوں نے (امام ابو یوسف) فقہ حنفی سے متعلق اصول فقہ کی تحریری بنیاد رکھی اور مسائل کا املا کرایا اور ان کی اشاعت ہوئی اور تمام اطراف اور بلاد و امصار میں امام ابو حنیفہ کا علم پھیل گیا۔''

(تاریخ افکار و علوم اسلامی راغب طباخ۔ ۲/۳۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرات محققین نے خوب فرمایا:

''فقہ کی کاشت سیدنا عبداللہ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی حضرت علقمہ نے اس کی آبیاری کی، حضرت ابراہیم نخعی نے اس کھیتی کو کاٹا، حضرت حماد نے اس کی بھوسی اتاری، حضرت امام اعظم نے اسے باریک پیسا، حضرت امام ابو یوسف نے اسے گوندھا اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکائیں۔ اب ساری امت ان روٹیوں سے شکم سیر ہو رہی ہے۔'' (فتاویٰ ملک العلماء، ص۲۴)

اجتہاد و تدوین فقہ کے سارے معاملات محض کتاب و سنت کی تفہیم اور مسائل حیات کی اسلامی تشریح اور تحلیل کے لیے عمل میں لائے گئے اور کتاب و سنت کی روشنی میں احکام شریعت بتائے گئے۔ البتہ خدا داد شعور شریعت اور تفقہ کی نعمت سے ضرور استفادہ رہا، اس لیے یہ کارنامے تو ان بزرگوں کے ہیں۔ لیکن یہ سارے احکام علوم نبوت کا فیضان اور کتاب و سنت اور شریعت کے احکام ہی شمار ہوں گے۔ ان کی پیروی اللہ اور رسول کے حکم کی پیروی ہی کہی جائے گی۔ انھیں اسلام سے الگ کسی غیر کی اقتدا سمجھنا سراسر نادانی ہے اور اسلامی فہم و شعور سے بیگانگی۔ حضرات ائمہ اسی لیے تو ہمارے مقتدا اور مقدس پیشوا ہیں کہ یہ حضرات بارگاہ خدا اور رسول سے زیادہ قرب رکھتے ہیں۔ ان کا قرب الٰہی دیکھنا ہے تو حضرت امام اعظم کی حیات مبارکہ کا روشن ورق ہی ملاحظہ کرلیں۔ آپ حضور کی بشارت ہیں، سارے ممتاز محدثین کے بالواسطہ یا بلاواسطہ استاذ ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں چالیس ایسے جلیل الشان تھے جو منصب اجتہاد پر فائز تھے اور قرب خدا کی اعلیٰ منزلیں رکھتے تھے۔ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، چالیس سال اس طرح روزہ دار رہے کہ کسی کو خبر تک نہ ہوسکی۔ رمضان مقدس میں اکسٹھ ختم قرآن کرتے۔ ایک ختم دن میں، ایک رات میں اور ایک پورے مہینے کی تراویح میں۔ آپ سو ۱۰۰ بار خواب میں رب تبارک و تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ قاضی بغداد عمارہ بن حسن نے آپ کو اخیر غسل دیا۔ غسل دیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے، واللہ تم سب سے بڑے فقیہ، سب سے بڑے عابد، سب سے بڑے زاہد تھے، تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں، تم نے اپنے جانشینوں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مایوس کردیا ہے کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچ سکیں۔ (نزہۃ القاری ۱/۱۶۳) اجلہ اولیائے کرام جیسے حضرت ابراہیم بن ادھم، حضرت شقیق بلخی، حضرت معروف کرخی، حضرت بایزید بسطامی، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت عبداللہ بن مبارک ولی، حضرت وکیع بن جراح، حضرت شیخ الاسلام ابوبکر بن وراق، حضرت سلطان الہند خواجہ سید معین الدین حسن چشتی اجمیری سنجری حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کی اقتدا کو باعث فخر جانا۔ آپ جلیل الشان تابعی ہیں جنھوں نے متعدد صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اسی تقدس اور طہارت کا اثر تھا کہ آپ کی دینی فکر اور شرعی خدمات کو ایسا قبول عام حاصل ہوا کہ دو تہائی اسلامی دنیا آپ سے شرف نیاز رکھتی ہے اور حنفی کا لقب ان کے لیے باعث افتخار اور دین و دنیا کا سرمایۂ سعادت ہے۔ صاحب مجمع الجارین الاقوامی شہرت یافتہ ہندی شافعی محدث اور فقیہ علامہ محمد طاہر فتنی (م ۹۸۶ھ) نے ''المغنی'' میں بہت پیاری بات فرمائی ہے:

فلولم یکن للّٰہ سرخفی فیہ لما جمع لہ شطر الاسلام او مایقاربہ علی تقلیدہ حتی عبداللّٰہ بفقھہ و عمل برائہ الی یومنا مایقارب اربع مائۃ و خمسین سنۃ و فیہ اول دلیل علی صحتہ.

(المغنی، ص۸۰)

''اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس مذہب کے مقلد نہ ہوتے۔ ہمارے زمانے تک، جس کو امام صاحب سے تقریباً ساڑھے چار سو برس کا عرصہ ہوتا ہے، ان کی فقہ کے مطابق اللہ وحدہ کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ یہ اس مذہب کے عنداللہ مقبول اور صحیح ہونے کی شاندار دلیل ہے۔''

سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ (م: ۱۵۰) کے علاوہ امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) امام محمد بن ادریس شافعی (م ۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) حضرت سفیان ثوری (م: ۱۶۱ھ) امام لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ) امام ابوثور (م: ۲۴۰ھ) امام عبدالرحمٰن بن عمر اوزاعی (م ۱۵۷ھ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نامور مجتہد فقہاء گزرے ہیں، یہ سبھی ائمہ قرآن و حدیث کے بہترین شناور، احادیث طیبہ کے زبردست ماہر، علم و ادب کے امام، زہد وتقویٰ کے نورانی منارے ہیں، جن سے دنیا ہر سطح پر رہنمائی حاصل کرتی رہی۔ یہ بےنفس بزرگ کوئی ایسی بات دین و اسلام کے تعلق سے کیسے فرما سکتے ہیں، جو قرآن و حدیث کے خطوط سے ہٹ کر ہو، جب کہ ان کا امتیاز ہے کہ مخلوق خدا میں سب سے زیادہ خشیت الٰہی انھیں کا حصہ ہے۔ **انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء**۔ حضرت امام اعظم کا صاف ارشاد ہے: **اذا صح الحدیث فھو مذھبی** جب کوئی حدیث صحت سند کے ساتھ دستیاب ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ حضرت امام شافعی نے مکہ معظّمہ میں ایک مرتبہ فرمایا: جو چاہو، مجھ سے دریافت کرو، میں تمھیں کتاب اللہ سے اس کی خبر دوں گا، (فضائل قرآن مشمولہ کنزالایمان، ص۹۰) حضرت امام غزالی ایک فقیہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر وحضر اور جلوت وخلوت میں ہر وقت دل پر خوف الٰہی کا غلبہ ہو۔“ (احیاء العلوم)

ایک غیر مجتہد کے جب یہ اوصاف مطلوب ہیں تو پھر مجتہد فقیہ کے لیے اوصاف کی کیسی کوالیٹی مطلوب ہوگی، اس کا ہر باشعور شخص اندازہ کرسکتا ہے، اس لیے ان ائمہ کرام کے سارے معاملات اللہ اور رسول کی رضا میں گم ہیں۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود، ان کا امتیاز ہے۔ یہ حضرات یا تو قرآن حکیم سے نور لیتے ہیں یا حدیث پاک سے روشنی، پھر اپنی بصیرت آشنا ژرف نگاہی سے علوم شریعت کی غواصی کر کے امت مسلمہ کے لیے آسانیاں فراہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے ہیں۔ ان کی اقتدا ایسے نفوس قدسیہ کی پیروی ہے جس کی دعا ہر نماز میں کی جاتی ہے۔ : اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم یہ انعامات الٰہیہ سے سرفراز حضرات ہیں، جن کی اقتدار کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ واتبع سبیل من اناب الی و کونو امع الصادقین اسی گروہ کے اشارے ہیں، اس لیے ان کی اطاعت دراصل حکم الٰہی کی تعمیل ہے۔ وہ بے نصیب لوگ ہیں جو ان حضرات سے دامن کشاں گزرتے ہیں۔

یہاں اس گوشے کی وضاحت کرکے اپنی بات مکمل کرتا ہوں کہ جب کتاب وسنت کے سرچشمے قیامت تک تازہ اور رواں دواں ہیں تو پھر قرن اوّل اور ثانی کے ائمہ مجتہدین کی پیروی ہی کیوں کی جائے۔ بعد کے دور میں بھی تو اہل اجتہاد پیدا ہوں گے جو دور حاضر کے نت نئے مسائل کو اپنی خدا داد صلاحیتوں کی روشنی میں حل کرتے ہیں۔ ساری دنیا چار فقہی مذاہب حنفی شافعی مالکی حنبلی میں ہی کیوں محدود رہے۔ اس سلسلے میں پہلے یہ بات ذہن نشین کرلی جائے کہ دوسری صدی ہجری میں صرف چار فقہی مذاہب ہی نہیں تھے اور حضرات ائمہ مجتہدین میں ائمہ اربعہ کا ہی شمار نہیں ہوتا تھا بلکہ بیسوں اکابر اسلام ایسے تھے جو منصب اجتہاد پر فائز تھے بلکہ کئی ایک دیگر ائمہ کے مذاہب پھیلے بھی۔ کوفہ میں حضرت سفیان ثوری، مصر میں امام لیث، بغداد میں ابوثور، اندلس اور دمشق میں امام اوزاعی کے متبعین پائے جاتے تھے لیکن ان حضرات ائمہ کو تسلسل کے ساتھ متبعین دستیاب نہیں ہوسکے کہ ان کا مذہب ہمارے دور تک پہنچتا، نہ ان کے افکار کو ان کے اخلاف نے تحریری طور سے منضبط کیا، اس لیے ان ائمہ کے فقہی مسائل رفتہ رفتہ زمانے کی تہوں میں گم ہوتے چلے گئے۔ جب ان کے ذخائر افکار اور مستنبط مسائل ساری ضروریات حیات اور اسلامی گوشوں کو محیط ہوکر محفوظ ہی نہیں رہے تو بھلا امت اسے اپنائے گی کیسے؟ جب کہ رائج چاروں فقہی مذاہب اپنی مکمل تفصیلات کے ساتھ سارے فقہی ابواب پر محیط ہوکر اب بھی جوں کے توں محفوظ ہیں، بلکہ آئے دن ان کے ذخائر میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ بلامبالغہ ہر فقہی مذہب کی تفصیلات اور تشریحات پر مشتمل اب تک لاکھوں کتابیں لکھی جاچکی ہیں، اس لیے ساری صحیح العقیدہ دنیا ان چاروں مذاہب کے دائرے میں سمٹی سمٹائی ہے۔

رہ گئی قرآن وحدیث کی شاہراہ سعادت تو وہ قیامت تک ہر زمانے میں اُمت کے

☆ ماحرم اخذہ حرم اعطاؤہ ☆ جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔ ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے کشادہ ہے، اس کا در کبھی بند نہیں ہوا۔ لیکن ان سمندروں سے تب و تاب والے گہر ہائے ثمین نکالنے والے اہل ظرف عرصے سے مفقود ہیں۔ ان کی مجتہدانہ شناوری کے لیے جس معیار کا علمی شعور چاہیے وہ اہل نظر کی نگاہ میں تیسری صدی ہجری کے بعد سے دستیاب نہیں۔ اگر رب قادر کوئی ایسا بندہ پیدا کر دے، جو ان تمام گوشوں پر حاوی ہو جو اجتہادی صلاحیت کے لیے درکار ہوتے ہیں تو وہ بے تکلف اجتہاد کرسکتا ہے۔

حضرات ائمہ مجتہدین عہد رسالت سے قرب کی بدولت جو انشراح صدر رکھتے تھے، اس کے دستیاب ہونے کی تو اب کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ لیکن کتاب وسنت کی جیسی واقفیت اور علوم وآداب کے جن گوشوں کی ابھی ابھی نشان دہی ہوئی، کیا اب کوئی ایسا نظر آتا ہے، جو ان فنون و آداب سے واجبی سی واقفیت بھی رکھتا ہو چہ جائیکہ ان میں اسے مہارت کی گیرائی حاصل ہو، پھر بہت سے ایسے علوم ہیں، جو زمانے کی تہوں میں دفن ہو کر رہ گئے اور اہل علم انھیں اپنے سینوں میں لے کر قبر کی آغوش میں جاسوئے، خود حدیث پاک اس بات کی نشاندہی فرماتی ہے کہ جوں جوں قیامت کا زمانہ قریب آتا جائے گا علم کی گہرائی کم ہوتی جائے گی۔ ارشاد رسالت ہے:

ان اللّٰہ لایقبض العلم انتزا عاینتز عہ من العبادو لکن یقبض العلم بقبض العلماء. (مشکوٰۃ شریف، ص۲۵)

”اللہ تعالیٰ بندوں سے علم کی گہرائی کو یوں نہیں ختم کرے گا کہ ان کے دلوں سے علم چھین لے بلکہ جیسے جیسے جید علماء دنیا سے اٹھتے جائیں گے، ان کا علم بھی ان کے ساتھ رخصت ہوتا جائے گا (پھر بعد میں ان کا کوئی جانشین اور ان جیسا علم والا نہیں پیدا ہوگا۔ اس طور سے علم کی گہرائی رفتہ رفتہ ختم ہوتی جائے گی)۔“

جب اجتہاد کی بنیادی شرطیں ہی مفقود ہیں تو پھر اجتہاد کا جواز ہی کیا رہ جاتا ہے؟

لیکن پھر دوسرا سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ جب اجتہاد امکانی سطح پر نہ سہی، عملی سطح پر ہی گم ہے تو پھر نت نئے پیش آنے والے مسائل کا کیا ہوگا، انھیں کون حل کرے گا؟ یہاں تو پھر وہی جمود نکل آیا جسے دور کرنے کے لیے فقہ و اصول کی تدوین ہوئی تھی اور اسلامی قوانین کا Flexibile رخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے آیا تھا۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ مجتہد مطلق کی شرطیں تو صدیوں سے مفقود ہیں لیکن ائمہ کے متعین کردہ اصول استنباط کی روشنی میں آنے والے مسائل کی تشریح کرنے والے اصحاب بصیرت پیدا ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے، جو اپنی مومنانہ فراست سے امت کے درد کا علاج پیش فرماتے رہیں گے۔ اسی لیے اہل نظر نے فقہائے کرام کے سات طبقات متعین کیے ہیں:

۱۔ مجتہد فی الشرع / مجتہد مطلق مستقل

یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے جنھیں اصولی قواعد کی تاسیس، کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے فرعی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو، اور وہ اصول وفروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ) امام مالک (م ۱۷۹ھ) امام شافعی (م ۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱) وغیرہ)

۲۔ مجتہد فی المذہب / مجتہد مطلق غیر مستقل

یہ ایسے فقہاء ہوتے ہیں جن میں مجتہد مطلق کی ساری صلاحتیں موجود ہوتی ہیں لیکن وہ خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی اصول میں مقلد ہوتے ہیں اور فروع میں مجتہد۔ جیسے حضرت امام ابو یوسف (م ۱۸۳ھ) امام محمد (م ۱۸۹ھ) امام عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) وغیرہ تلامذۂ امام اعظم قدست اسرارہم۔

۳۔ مجتہد فی المسائل / مجتہد مقید

ایسے فقہاء اس زمرے میں آتے ہیں جو اصول وفروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوں اور ان کے وضع کردہ اصول وفروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کرسکتے ہوں، جن کے بارے میں ائمہ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام ابوبکر خصاف (م ۲۶۱ھ) امام ابوجعفر طحاوی (م ۳۳۱ھ) امام ابوالحسن کرخی (م ۳۴۰ھ) شمس الائمہ حلوائی (م ۴۵۶ھ) شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ) امام فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ) امام فخر الدین قاضی خاں (م ۵۹۳ھ)

☆ حجر: بچپن یا غلامی یا جنون کی وجہ سے قولی تصرف سے منع کرنا ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ اصحاب تخریج

حضرات فقہاء کا یہ طبقہ اجتہاد و استنباط مستقل کی قدرت نہیں رکھتا، البتہ ائمہ مذہب کے وضع کردہ سارے اصول وفروع پر گہری نگاہ ہوتی ہے۔ جس کی روشنی میں یہ مجمل کی تشریح محتمل کی تعیین مثالوں کے حوالے سے کرسکتے ہیں۔ حضرت امام ابوبکر احمد بن علی رازی (۳۷۰ھ) اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۵۔ اصحاب ترجیح

یہ حضرات اصحاب تخریج سے کمتر فقاہت کے حامل ہوتے ہیں اور ائمہ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول وفروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے امام ابو الحسن قدوری (م۴۲۸ھ) صاحب ہدایہ امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م۵۹۳ھ) وغیرہ۔

ھذا اولیٰ، ھذا اصح، ھذا او ضح، ھذا اوفق للقیاس، جیسے اقوال ان کی پہچان ہوتے ہیں۔

۶۔ اصحاب تمیز

فقہاء کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ظاہر الروایہ اور نادر روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔

۷۔ مقلد محض

جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت موجود نہ ہو، ایسے حضرات کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہوتا، بس یہ ائمہ مذہب کے اقوال نقل کرسکتے ہیں، جیسے موجودہ دور کے بیشتر صاحبان فقہ۔

(فتاویٰ ملک العلما، ص ۲۵۔۲۶)

ان میں ایسے ایسے افراد شامل ہیں، جن کی جوتیوں کی خاک بھی آج کے غیر مقلدین کو نصیب نہیں لیکن ان سب فضائل وکمالات کے باوجود یہ حضرات، ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی

☆توکیل: جس تصرف کا خود مالک ہے غیر کو اس تصرف میں اپنے قائم مقام کردینا☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مقلد ہی رہے۔ خود حضرت امام بخاری جنھیں چھ لاکھ احادیث مبارکہ ان کے رجال اور اسناد کی ساری جزئیاتی تفصیلات کے ساتھ یاد تھیں، سیّدنا امام شافعی کے مقلد تھے، تو یہ غیر مقلد حضرات بخاری شریف کی تین ساڑھے تین ہزار احادیث کی زیارت کر کے اجتہاد کے دعویدار کیوں کر بن سکتے ہیں؟ یہاں حضرت علامہ ارشد القادری کا یادگار جملہ یاد آتا ہے کہ ’’حضرت امام بخاری، بخاری شریف لکھ کر بھی مقلد ہی رہے اور یہ غیر مقلد صاحبان بخاری شریف کو الماریوں میں سجا کر مجتہد بنے پھرتے ہیں۔،، غیر مقلدین کی فکری بے بسی اس بات سے بھی نمایاں ہے کہ وہ جو بھی کہتے ہیں، وہ انھیں حضرات ائمہ میں کسی کا قول ہوتا ہے۔ اگر واقعی دعوائے اجتہاد رکھتے ہیں تو ان حضرات ائمہ سے جدا گانہ کوئی ممتاز حکم دلیل سے ثابت کر دکھائیں۔ شاخ و بن سے جدا ہو کر پتے کی بے بسی ایسے ہی ہوتی ہے۔ علامہ سید محمد طحطاوی حنفی نے اپنے حاشیہ درمختار میں بجا تحریر فرمایا:

هذه الطائفة الناجية قدا اجتمعت اليوم فى مذاهب اربعة وهم الحنفيون و المالكيون و الشافعيون و الحنبليون رحمهم الله تعالىٰ و من كان خار جاعن هذه الاربعة فى هذا الزمان فهو من اهل البدعة و النار. (حاشیہ الطحطاری علی الدرر ۳/۱۵۳، کتاب الذبائح)

’’اُمت کا نجات یافتہ طبقہ اب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی چار مذاہب میں منحصر ہے، جو اس زمانے میں اس چار گروہ سے خارج ہو وہ بد مذہب ہے اور جہنم کا مستحق ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہمیں دین و شریعت کی فہم، پختہ شعور، حسن ادب اور گرامی توفیق سے سرفراز فرمائے اور ہدایت یافتہ حضرات کی صفوں میں باقی رکھے۔ آمین

☆اجارہ: کسی چیز کے معین معلوم منافع کو معین معلوم قیمت پر فروخت کرنا اجارہ ہے☆

© rasailojaraid.com